فکر و نظر........... اسلام آباد		جلد: ۴۶	شمارہ: ۲،۱

تجلیاتِ محمد ﷺ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ☆

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی

حضرت ابوالبرکات شیخ احمد فاروقی بدر الدین سرہندی جو مجدد الف ثانیؒ کے نام سے معروف روزگار ہیں، ان کے عہد ساز و ہمہ گیر کارناموں کی تفصیلات جاننے کے لیے حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کی کتاب حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مطالعہ کیجیے ، یا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تاریخ دعوت و عزیمت کی متعلقہ جلد کا۔ اس موقع پر شیخ محمد اکرام کے سلسلۂ کوثریات کا ذکر بھی مناسب ہو گا کہ اس نے اپنے بعض تحفظات کے باوجود حضرت مجدد کے کارناموں کی تفہیم میں مدد دی ہے۔ لیکن اقبال کے چار شعروں میں ان کی شخصیت، ان کا مرتبہ اور ان کا تجدیدی کارنامہ یہ سب سمٹ آیا ہے۔ اور ان ہی اشعار کو ہم اپنے مضمون کا ابتدائیہ بنا رہے ہیں۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے زروں سے شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

ان اشعار میں حضرت شیخ سرہندی کے واقف اسرار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے اس نفس گرم کا بھی تذکرہ ہے، جس نے مسلمان کو مغل حکمرانوں کی لادینیت کے سامنے سر جھکانے سے بچا لیا۔

شیخ عبدالواحد علیہ الرحمہ کا یہ بیٹا چودہ شوال ۹۷۱ھ/ ۱۵۶۳ء میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم میں حفظ قرآن بھی شامل ہے، اکابر علماء کے حفظ قرآن سے یہ نکتہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ ان کے سارے معارف و اسرار کا چشمہ کتاب اللہ ہے، وہ جس موضوع پر سوچتے، جس پر لکھتے، جو کچھ کہتے

☆ السیرۃ (۱۴) رمضان ۱۴۲۶ھ، تجلیاتِ محمد ﷺ اور حضرت مجددؒ

کلام اللہ کی آیات ان کا پیش لفظ بن جاتیں۔ شیخ سرہندی نے ۱۷ سال کی عمر میں مروجہ درسی تعلیم کی تکمیل کر لی۔ والد بھی بڑے عالم اور صوفی تھے، اس لیے علم اور سلوک کی راہیں ساتھ ساتھ طے ہوئیں۔ یہ کتابی علم اور سلوک کی منازل ان کو ایک بڑے معرکے کے لیے تیار کر رہی تھی۔ اکبر آباد دارالحکومت تھا، ۲۲ سال کی عمر میں حضرت شیخ سرہندی نے اکبر آباد (آگرہ) کا رخ کیا، یہ سنت الٰہی ہے کہ وہ انبیاء، صالحین اور صدیقین کو ان معرکوں کے لیے تیار کرتا ہے، جن سے نبرد آزما ہونا ان کے مقدر میں لکھا ہو۔ یہ کہانی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے اور کون جانے کہ قیام قیامت تک اور کتنے افراد کو اس طرح تربیت دی جائے۔

اکبر آباد میں والی اکبرآباد نے اپنی بیٹی کا عقد شیخ احمد سے کرنے کی درخواست کی، جس کو ان کے والد نے قبول کر لیا۔ رسم و رہ خانقاہی تو حضرت شیخ کے خمیر میں گندھی ہوئی تھی، اب وہ طریق خسروانہ سے بھی واقف ہو گئے، اور سرہند لوٹ گئے۔ جب حضرت شیخ احمد سرہندی سفر حج کے لیے روانہ ہوئے تو دلی کے دوران قیام حضرت خواجہ باقی باللہ سے ملاقات ہوئی، روحوں نے نگاہوں کے ذریعے ایک دوسرے کو پہچانا، اور حضرت شیخ احمدؒ نے کچھ دن حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ساتھ قیام کیا، جلد ہی یہ مناسبت بیعت میں تبدیل ہو گئی، اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے شیخ احمد سرہندیؒ کو سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل کر لیا، دوسری ملاقات میں کچھ عرصے کے بعد شیخ کو خلافت دی گئی، اور تیسری ملاقات میں خواجہ صاحب شیخ کے استقبال کے لیے دلی سے کوسوں باہر تشریف لے گئے۔ اسی ملاقات میں انہوں نے اپنے کمسن بچوں کو حضرت شیخ کے حوالے کیا، یوں یہ نسبت روحانی مستقبل کی کہانی بھی بن گئی۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت شیخ سرہندیؒ کے درمیان خط و کتابت مسلسل جاری رہی۔ ابلاغ کے طریقے ہر دور کے مطابق متعین ہوتے ہیں، اس دور میں ذاتی ملاقاتوں کے علاوہ خط و کتابت کے ذریعے ہی تعلقات استوار ہو سکتے تھے، اور پند و نصائح آنکھوں کے ذریعے روح تک پہنچ سکتے تھے۔

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے ہر طبقے کے لوگوں کو بے شمار خطوط لکھے، ان میں سے وہ خطوط جو انہوں نے اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو لکھے، اسرار و رموز کا گنجینہ ہیں، مگر عام پڑھنے والوں کو ان خطوط کی جگہ ان خطوط پر توجہ دینی چاہیے جو آپ نے اپنے متوسلین اور مریدین کو لکھے، امرحق کی طرف متوجہ کرنے کے لیے امراء اور اراکین سلطنت کو لکھے ،ان خطوط میں علمی نکات اور تصوف کے

مسائل بھی ہیں، لیکن اس انداز سے کہ عام لوگوں کو بھی فیض پہنچ سکے، حضرت مجددؒ کے یہ خطوط مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نام سے حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نے چار جلدوں میں اردو میں ترجمہ فرمائے ہیں، زیادہ تر خطوط فارسی میں تھے، لیکن کچھ خطوط عربی میں بھی تھے، ان چار حصوں کو کل دفتر کا نام دیا گیا ہے، کل دفتر تین ہیں، دفتر اول کے دو حصے ہیں ، مکتوبات کے دفتر اول کے حصہ اول میں ۱۷۱ مکتوبات شامل ہیں، اور دفتر دوم میں ۱۷۲ سے ۳۱۳ تک شامل ہیں۔ ہمارے بزرگ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی نسبت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قائل تھے اس لیے آج بھی ۳۱۳ کے عدد سے ذہن میں شرکائے بدر کی یاد آ جاتی ہے ۔شاہ صاحب کا یہ حسن خیال تو دیکھیے کہ انہوں نے فارسی اشعار کا ترجمہ بھی اردو اشعار میں کیا ہے ،ہمارا خیال ہے کہ دنیائے اسلام کے بیشتر ملکوں میں ہر دور اور ہر صدی میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہیں مجدد کہنا زیب دیتا ہے، ان کے میدان مختلف تھے، اس لیے ایک ہی صدی میں مختلف ملکوں میں مجددیت کی شان رکھنے والے بزرگ ایک ساتھ نظر آتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی ملک میں ایک ہی صدی میں مختلف لوگ اس شان کے نظر آئیں، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مجددیت اور وہ بھی الف ثانی کے لیے متفق علیہ رہی ہے، اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ ان کے مرتبے نے ان کے نام جگہ لے لی ہے، مجدد صاحب کی اصلاح دین کی کوششوں اور مجددانہ کاوشوں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، ہمارے خیال میں مجدد صاحب کی کاوشوں کے کئی رخ تھے، اور یہ پہلو باہم مربوط ہیں، سب سے پہلے تو آپ نے امراض کی تشخیص کی اور پھر مختلف طبقوں کے امراض کا علاج تجویز کیا۔ امرائے سلطنت میں دینی غیرت بیدار کی۔ علماء و صوفیاء کو خانقاہ نشینی کے ساتھ ساتھ رسم شبیری ادا کرنے کی دعوت دی، اور آپ کے کارناموں میں سرفہرست دین الٰہی اور اکبری الحاد کا مقابلہ اور اسے اس کے منطقی انجام تک پہنچانا ہے، کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ سلام کی جگہ اللہ اکبر اور سلام کے جواب کی جگہ جل جلالہ نے لے لی تھی، اللہ اکبر میں اشارہ اکبر کی برتری کی طرف تھا اور جل جلالہ میں اس کے استقلال کی طرف، ہندو مہارانیوں کی خوش نودی کی وجہ سے گائے کی قربانی پر تو پابندی تھی، سور کا گوشت اور شراب حلال اور طیب قرار دی گئی تھی، بادشاہ کو ظل سبحانی قرار دے کر اسے سبحان کا قائم مقام بنا دیا گیا، ہر صبح بادشاہ جھروکے سے درشن دیتا۔ ہندوانہ رسمیں زندگی کا معمول بن گئیں ، یہ انتہائی خطرناک صورت حال تھی، کیونکہ دین معاشرے ہی میں زندہ رہتا ہے۔ ایک اور فتنہ بھی اس سے کم نہ تھا، وہ تھا علماء اور درویشوں کا طرز عمل، اکبر ابتدا میں ایک راسخ العقیدہ نہیں، خوش عقیدہ مسلمان تھا، بزرگان دین کے مزاروں پر حاضری دیتا، اور علمی مجالس منعقد کراتا، لیکن ان مجلسوں میں

علماء نے اپنی نشستوں کی ترتیب اور قطار بندی پر جھگڑے شروع کر دیے، اس جاہ پرستی کے ساتھ ساتھ مسلکی اختلافات نے سر ابھارا اور اس کے بعد ہی دوسرے مذاہب کو اسلام کے مقابل کھڑا کیا گیا، پھر شیخ مبارک اور ان کے بیٹوں نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ معاذ اللہ دور نبوت محمدیؐ اختتام کو پہنچا، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبری دور کے ان فتنوں کا بھی سدباب کیا، جو عہد جہانگیری میں قائم تھے، آپ نے علماء کو مسلکی اختلاف اور جاہ پرستی سے منع فرمایا، اور درویشوں کو تزکیۂ نفس کی طرف راغب کیا، یہی دراصل دین کی اندرونی قوت تھی، اور آپ نے محسوس کیا کہ اس اندرونی اور حقیقی قوت کے بغیر دینی ڈھانچہ سلامت نہیں رہ سکتا، اسی کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد نے ان خلفاء اور حق پرستوں کی فصل تیار کی جو اسلام کے باغ کے لیے موسم بہار ثابت ہوئی۔

ان سب کاوشوں اور کوششوں میں نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی استواری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، حضرت مجددؒ نے اس رشتے کو دو سطحوں پر استوار کیا۔ ایک تو جذباتی سطح، جس سے حضور ﷺ کی ذات اپنے آپ اپنے والدین اور سارے انسانوں سے زیادہ عزیز ہو جائے، اور دوسری علمی اور ذہنی سطح، جس سے مرتبۂ محمدیؐ کا ادراک ہو سکے، مکتوبات مجدد الف ثانیؒ میں رسول اکرم ﷺ کی حیات اور نبوت کے عجب عجب گوشے سامنے آتے ہیں، جو علمی شان بھی رکھتے ہیں، اور وجدانی کیفیت بھی، مگر ہم اپنے اس مطالعے میں بعض نکات کی طرف بوجوہ توجہ نہیں دے سکیں گے، مثلاً نبوت محمدیؐ اور ولایت محمدی کے مسائل، ان کا فرق اور ان کی افضلیت کا معاملہ، حالانکہ مجدد صاحب کا نقطۂ نظر بہت واضح ہے، وہ نبوت محمدیؐ کو اصل سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک آج یہ مسائل چنداں قابل التفات نہیں ہیں، اسی طرح کمال ذاتی اور جمال ذاتی کے مسائل۔ ہم مکتوبات شریف سے انہی مسائل اور نکات کو پیش کریں گے، جو حضور ﷺ کی نبوت اور ان کی ذات سے مسلمان کی وابستگی، نبوت محمدیؐ کے اثرات اور ان اثرات سے امت کی اصلاح سے متعلق ہیں، اس مطالعے میں بعض مسائل کا ذکر تو کیا گیا ہے، لیکن ان کی تفصیلات سے گریز کیا گیا ہے۔

(۲)

مکتوبات مجددیہؒ میں حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات و صفات کا دفتر اپنی ایک الگ شان رکھتا ہے، اور حق تعالیٰ کی صفات اور احسانات میں نبوت کا اجرا بھی شامل ہے، اس لیے نبی اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کے علاوہ مجددؒ صاحب نے جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر کیا ہے، وہاں اس کے رسولوں اور خاص طور پر رسول آخرالزماں ﷺ کا تذکرہ بھی آیا ہے، دفتر دوم کے مکتوب ۳۷ کے

مکتوب الیہ ملا عبدالحی جو دفتر دوم کے جامع تھے، ان کے نام مجددؒ صاحب کے پانچ خطوط ہیں۔ ایک خط کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے فضائل اور بیان سے متعلق ہے، خط کا آغاز یوں ہوتا ہے:

> بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لاالہ الا اللہ حضرت رب جل سلطانہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے والی اس کلمے سے زیادہ کوئی چیز نفع بخش نہیں، جب یہ کلمہ طیبہ آگ میں داخل ہونے کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے تو دوسرے قسم کے غضب کو جو اس سے کم ہیں بطریق اولیٰ تسکین دیتا ہے۔(۱)

آگے چل کر مجددؒ صاحب فرماتے ہیں:

> (یہ فقیر) اس کلمہ طیبہ کو رحمت کے ان ننانوے خزانوں کی کنجی محسوس کرتا ہے جن کو آخرت کے لیے ذخیرہ کیا گیا ہے، اور جانتا ہے کہ ظلمات کفر اور کدورات شرک کو دور کرنے کے لیے کلمہ طیبہ سے بڑھ کر شفاعت کرنے والی دوسری کوئی چیز نہیں۔ (۲)

مجدد صاحب کلمہ طیبہ اور کلمہ طیبہ کی شفاعت اور نبی اکرمﷺ کی شفاعت کو ہم رشتہ کر دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

> جس طرح اس امت کے کبیرہ گناہوں کی سزا کے دفع کرنے میں حضرت محمد رسول اللہﷺ کی شفاعت نافع اور کارگر ہے(اسی طرح کلمۂ طیبہ کی شفاعت بھی)۔(۳)

حضرت مجددؒ الف ثانی نے اس مکتوب میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو رحمت کے ننانوے خزانوں کی کنجی قرار دیا ہے، اور اس سے اسمائے الٰہی کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، ان ننانوے ناموں میں (بعض روایات کے مطابق یہ زیادہ ہیں) ہر رحمت ہر احسان آ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مجددؒ صاحب نے علمی اور وجدانی دلیلوں کو یکجا کرتے ہوئے حضورﷺ کی نبوت کو بدیہی قرار دیا ہے، صرف نبوت کو نہیں بلکہ آپ کے پیغام یعنی اسلام کو بھی ۔ مجددؒ صاحب کے قول کے مطابق یہ نبوت اس درجہ بدیہی ہے کہ اس کے لیے فکر و دلیل کی ضرورت نہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ انسان فکری اور اخلاقی طور پر صحت مند ہو، اخلاقی برائیاں نگاہ کی کمزوری کی طرح ہوتی ہیں، اتنے مشکل مسئلے کو مجددؒ صاحب نے

دفتر اوّل کے مکتوب نمبر ۴۶ میں اس طرح پیش فرمایا ہے:

حق تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اسی طرح اس کی وحدت بلکہ حضرت محمد رسول اللہؐ کی نبوت بلکہ جو کچھ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں وہ سب بدیہی ہیں اور کسی فکر و دلیل کے محتاج نہیں ہیں بشرطیکہ انسان کی قوت مدرکہ تمام ردی آفتوں اور باطنی بیماریوں (مثلاً تکبر، حسد، طول امل، طمع، ریا اور بغض وغیرہا) سے صحیح و سالم محفوظ ہو۔(۴)

اس قول سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور مرتبے کو سمجھنے کے لیے آدمی کا فکری طور پر معتدل اور صحت مند ہونا ضروری ہے، محض استدلال سے یہ منزل حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی ایمان کے حصول کے لیے قلبی امراض کو دور کرنا ضروری ہے:

اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ استدلال کا میدان بہت تنگ ہے اور دلیل کے ذریعے یقین کا حاصل ہونا بہت دشوار ہے، پس یقینی ایمان حاصل کرنے کے لیے قلبی امراض کو دور کرنے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ (۵)

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی محمد احمد ﷺ کے اسرار و رموز سے بھی بحث کی ہے، اسم محمد ﷺ امت مسلمہ کے درود و سلام میں شامل ہے اذان میں شامل ہے، نماز میں شامل ہے، اور احمد کے بارے میں مجددؒ صاحب کا ارشاد ہے کہ آپ ﷺ کا یہ اسم آسمان والوں میں بہت معروف ہے، پھر اسم مبارک ذات احد جل شانہ سے بھی بہت قربت حاصل ہے، اور احمد کا میم قرآن مجید کے حروف مقطعات میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے، مجددؒ صاحب فرماتے ہیں:

اور احمد آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا اسم ہے جو آسمان والوں میں معروف ہے جیسا کہ علماء کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جو خود اہل سمٰوٰت میں سے ہو گئے ہیں آں سرور ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت اسم احمد کے ساتھ دی ہے، (نیز) اس اسم مبارک کو ذات احد جل شانہ کے ساتھ بھی بہت زیادہ تقرب ہے۔ (۶)

اسی طرح میم جو کہ احمد میں اندراج پائے ہوئے ہے وہ قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے، جو سورتوں کے شروع میں نازل ہوئے ہیں اور بڑے دقیق اسرار میں سے ہیں اور اس حرف مبارک میم کو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ساتھ ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ (۷)

حضرت مجددؒ الف ثانی نے رسول اللہ ﷺ کے مقام خلت، مقام قربت پر مختلف خطوط میں بحث کی ہے، اور اس کے بعد اس نکتے کو واضح کیا ہے کہ شریعت محمدی ﷺ تمام شریعتوں کو جامع ہے، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ شریعت محمدی ﷺ تمام شریعتوں کی جامع ہے تو ہم اس کی حقیقت کو زیادہ بسط بنا دیتے ہیں، اس لیے کہ قرآن تمام کتب سماوی کا مہیمن ہے، اور یہ سلسلۂ رشد وہدایت ایک ہی ہے، اور حضور ﷺ کی رسالت سے انکار تمام رسولوں کی تکذیب کے برابر ہے، یہ حقیقت کبریٰ قرآن مجید میں متعدد بار دہرائی گئی ہے، مگر یہ بات یاد رہے کہ اگرچہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ لا نفرق بین احد من رسلہ مگر اس کی یہ تعبیر ہرگز درست نہیں کہ تمام انبیائے کرام ہم مرتبہ ہیں، ہم نبی ہونے کی حیثیت سے ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے، لیکن یہ حقیقت بھی قرآن نے واضح کی ہے کہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۸)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اس حقیقت کو اس طرح روشن فرماتے ہیں:

> حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تمام اسمائی و صفاتی کمالات کے جامع ہیں، اور ان سب (اسما و صفات الٰہیہ) کے اعتدال کے طور پر مظہر ہیں، جو کتاب آپ پر نازل ہوئی وہ ان تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ (نچوڑ) ہے جو تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات پر نازل ہوئی ہیں اور نیز وہ شریعت جو آں سرور عالم ﷺ کو عطا فرمائی گئی ہے، تمام گزشتہ شریعتوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے، اور وہ اعمال جو اس شریعت حقہ کے موافق ہیں سب سابقہ شریعتوں کے اعمال میں سے منتخب ہیں۔ (۹)

یہ ایک ایسا نکتہ ہے کہ مجددؒ صاحب بار بار اپنے مخاطبین کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں، کیونکہ اس نکتے کو سمجھنے والے ہی سلسلۂ رشدو ہدایت کے سر وحدت تک پہنچ سکتے ہیں، اور وہی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارا اللہ کتنا لطیف و خبیر ہے، حضرت مجددؒ صاحب کا اس نکتے پر اصرار کرنے کا مفہوم دوسرے الفاظ میں انسانی تاریخ کے تسلسل کی طرف اشارہ ہے:

> پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شریعت کی تصدیق کرنے والے (خیر الامم) تمام امتوں سے بہتر ہوئے، اور اسی طرح اس شریعت کو جھٹلانا اور اس کے موافق عمل نہ کرنا تمام سابقہ شریعتوں کو جھٹلانا اور انکے موافق عمل نہ کرنا ہے، اور اسی

طرح آں سرور علیہ الصلوۃ والسلام کا انکار کرنا تمام اسمائی و صفاتی کمالات کا انکار کرنا ہے اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنا ان سب کی تصدیق کرنا ہے۔ (۱۰)

مجددؒ صاحب نے نبی اکرم ﷺ کے فضائل کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے، یہ ذکر فضائل سیرت کا حصہ ہے، اسی کے ساتھ ساتھ طریقت کے رموز بھی اس میں آ گئے ہیں، اور حقیقت محمدی ﷺ کے سمجھنے سے حقیقت کائنات اور منشائے تخلیق بھی سامنے آتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے فضائل میں مجددؒ صاحب اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کی سیرت طریقت و حقیقت پر حاوی ہے، اور شریعت کی تکمیل کا ثبوت ہے، اس سلسلے میں انہوں نے جن آیات سے استنباط کیا ہے وہ یہ ہیں:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم (۱۱)

اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ، عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیم (۱۲)

اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (۱۳)

سورۂ انعام کی اس آیت کے متعلق حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس تیسری آیت کریمہ میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کو صراط مستقیم فرمایا ہے (۱۴)

اور یوں حضور ﷺ مخلوق کو خبردار کرنے والے پائے۔

ادب کے لفظ کو مجددؒ صاحب نے ایک مستقل اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے اور اس کے لیے ایک حدیث کو اپنے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے، اور احسن ادب سے مجددؒ صاحب نے ظاہر و باطن کا مجموعی ادب مراد لیا ہے، اس سلسلے میں فرماتے ہیں :

ادبنی ربی فاحسن تادیبی

میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس مجھ کو بہت ہی اچھا ادب سکھایا۔

اور باطن ظاہر کی تکمیل کرنے والا ہے اور اس کو مکمل کرنے والا ان دونوں میں بال بھر بھی مخالفت نہیں رکھتا۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل میں جھوٹ کا خیال بھی نہ آنے دینا طریقت و حقیقت ہے (یعنی) اگر یہ خیال کا نہ آنے دینا تکلف اور مشقت سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر

خاص ہے تو حقیقت ہے، پس دراصل باطن جو کہ طریقت و حقیقت کہلاتا ہے ظاہر کو جو کہ شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے۔ (۱۵)

ان تمام فضائل کو مجددؒ صاحب حقیقت محمدی ﷺ سے وابستہ کرتے ہیں اور اسے ظہور اول قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام حقائق اس حقیقت کے اظلال یا سائے ہیں:

حقیقت محمدی علی من الصلوات افضلها و من التسلیمات اکملها ظہور اول ہے اور حقیقت الحقائق اس معنی میں ہے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حقائق ہو یا ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقائق سب اس کے ظلال کی طرح ہیں اور وہ تمام حقائق کی اصل ہے۔ (۱۶)

ان رموز اور حقیقت محمدی ﷺ کو مجدد صاحب محض ایک نظری مسئلہ نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو اس امت کی نجات اور طریقہ حیات سے منسلک کر دیتے ہیں، یہ اہم نکتہ ہے کہ کیونکہ بعثت محمدی ﷺ انسانوں کی فلاح کے لیے ہوئی تھی ، تاکہ ایک ایسا گروہ وجود میں آئے، جو خیر امت ہو، اور تمام انسانوں کے لیے ایک نمونہ بن سکے، ایک ایسا گروہ جو زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل میں اور جزئیات میں سنت محمد ﷺ کو پیش نظر رکھے، اسی لیے مکتوبات شریف میں پیروی سنت کا مضمون طرح طرح سے پیش کیا گیا ہے، یہ تنوع صرف زبان و اسلوب کا نہیں ہے، بلکہ اس میں مکتوب الیہ کی ذہنیت، علمی صلاحیت اور روحانی مدارج کو پیش نظر رکھا گیا ہے، بعض مقامات ایسے ہیں کہ اتباع سنت ایمان کی ایک شرط کی طرح ہمارے سامنے آتی ہے، کہیں اتباع سنت کو علو مدارج کی تدبیر کے طور پر پیش کیا گیا ہے، مجدد صاحب اطاعتِ رسول کو اطاعت اللہ کی عملی شکل قرار دیتے ہیں، اس آیت قرآنی میں مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (۱۷) کی تفسیر میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حق سبحانہ و تعالیٰ نے اطاعت رسول کو عین اپنی اطاعت قرار دیا ہے، لہٰذا حق تعالیٰ عزو جل کی وہ اطاعت جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت (واتباع) کی شکل میں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے اور اس حقیقت کی تاکید و تحقیق کے لیے کلمہ قد تاکیدیہ لایا گیا ہے ، تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں میں فرق نہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔ (۱۸)

مجددؒ صاحب عام طور پر قرآن و حدیث کے معنوی نکات پر بحث کرتے ہیں، لیکن اس آیت کی تفسیر میں انہوں نے تاکیدیہ کلمہ قد کے لغوی پہلو پر زور دیتے ہوئے مفہوم کو واضح کیا ہے۔

اتباع سنت کو مجدد صاحب دل کو صیقل کرنے کا نسخہ قرار دیتے ہیں، آپ کے نزدیک شریعت محمدی ﷺ کی اساس سنت نبوی ﷺ ہے، جو تمام شریعتوں کی جامع ہے، مجددؒ صاحب حضور ﷺ سے کمال محبت اور آپ کے دشمنوں سے کمال بغض کو کسی کے ایمان کے ناپنے کا پیمانہ سمجھتے ہیں، اور اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ اتباع سنت کے مدارج سے انسان کی روحانی ترقی کا اندازہ ہو جاتا ہے، مجددؒ صاحب اس نکتے کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ سنت کا تعلق عبادت سے ہے، عرف اور عادت سے نہیں، ہمارے خیال میں مجددؒ صاحب نے یہ نکتہ ایک شرعی مسئلے کی طرح بیان کیا ہے، ورنہ ان کے مسلک میں عادات، خورد و نوش، آداب نشست و برخاست یہ سب باتیں سنت کے احاطے میں آ جاتی ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے اور ان کا نقطہ نظر اس حوالے سے واضح ہو جاتا ہے:

> آنحضرت ﷺ کا عمل دو قسم کا ہے: ایک عبادت کے طریقے پر ہے اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر، وہ عمل جو عبادت کے طریقے پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنا ہے اور وہ مردود ہے۔ اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ نہیں جانتا اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر موقوف ہے۔ (۱۹)

اتباع سنت سے مدارج روحانی کا کیا تعلق ہے؟ اس مسئلے پر حضرت مجددؒ نے اپنے ایک مکتوب میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے ، ہم نے اس سلسلۂ مضمون میں مکتوب الیہم کے ناموں کا اور ان کے حالات کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن اس مکتوب الیہ کا ذکر بوجوہ کیا جاتا ہے، یہ خط سید شاہ محمد مرحوم کے نام لکھا گیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، اور مکتوب الیہ کے حالات بھی معلوم نہیں، اس خط کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے کچھ سوالات کیے تھے، اور ان سوالات کے جوابات اس مکتوب میں درج کیے گئے ہیں، بنیادی سوال متابعت رسول ﷺ کے درجوں کا تھا، حضرت مجددؒ کے مدارج اتباع سنت کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے:

> پہلا درجہ عوام اہل اسلام کے لیے ہے، یعنی تصدیق قلبی کے بعد اطمینان نفس سے

پہلے جو کہ درجۂ ولایت سے وابستہ ہے احکام شرعیہ کا بجا لانا اور سنت سنیہ کی متابعت ہے...... متابعت کا دوسرا درجہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان اقوال و اعمال کی متابعت ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً اخلاق کا درست کرنا اور بری عادتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا ازالہ کرنا وغیرہ...... متابعت کا تیسرا درجہ آں سرورعلیہ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان احوال و اذواق اور مواجید کی متابعت ہے جو ولایت خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں، یہ درجہ ان ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوں، جب مرتبۂ ولایت اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو نفس بھی مطمئنہ ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے باز آ جاتا ہے...... اتباع کا یہ درجۂ چہارم علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے، جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں...... عالم راسخ وہ ہے جس کو کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے بہت حصہ حاصل ہو اور قرآن کریم کی سورتوں کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہیں ان کے اسرار سے بھی بہرہ ور ہو...... متابعت کا پانچواں درجہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا کوئی دخل نہیں بلکہ ان کا حصول خداوند جل سلطانہ کے محض فضل و احسان پر موقوف ہے، یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے، سابقہ درجات کی اس درجے کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں...... متابعت کا چھٹا درجہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں، جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیضان محض فضل واحسان پر تھا اسی طرح اس چھٹے حصے میں بھی ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل و احسان سے بالا و برتر ہے، متابعت کا یہ درجہ بھی بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے......متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ سابقہ تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام میں نزول بھی تصدیق قلبی ہے اور تمکین قلبی بھی ہے۔ اور نفس کا اطمینان بھی اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے۔ (۲۰)

مجددؒ صاحب نے جو پہلا درجہ قائم فرمایا ہے، وہ عوام اہل اسلام کے لیے آج کے حالات میں ایک خواب معلوم ہوتا ہے، یعنی تصدیق قلبی کے بعد اطمینان نفس سے پہلے احکام شرعیہ کا بجا لانا، اور سنت کی متابعت پر آج عابد و زاہد اور عام علماء بھی اتباع کے اس پہلے مرتبے پر فائز نظر نہیں آتے، زیادہ تشویش ناک یہ بات ہے کہ اتباع سنت کے نام پر جہالت قدیمہ کی جگہ جاہلیت کی نئی شکلیں رونما ہو رہی ہیں،دوسرے درجے میں مجددؒ صاحب نے اخلاق کی درستگی اور باطنی امراض سے نجات کو رکھا ہے، اسلام میں اخلاق کا تصور اور تعریف دونوں تمام دوسرے نظاموں سے مختلف ہے، اسلام ہی اخلاق و فرائض اور حقوق کے باہمی رشتے کا نام ہے، اور آج ہم حقوق و فرائض کی ادائیگی کے تصور سے بہت دور جا چکے ہیں، اور بری عادتوں کا احساس بھی باقی نہیں رہا، بلکہ وہ حسنات میں داخل ہو گئی ہیں، ہماری بات کو سمجھنے کے لیے علماء و مشائخ کے کسی اجتماع پر نظر ڈالیے ، کیسی کیسی زریں قبائیں اور شملے نظر آئیں گے، سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی ﷺ میں اخلاق پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسا فاخرہ لباس جو اپنے آپ کو دوسروں سے ممیز کرنے کے لیے پہنا جائے وہ بھی تکبر میں شامل ہے۔ متابعت کا تیسرا درجہ رسول اللہ ﷺ کے ان احوال سے تعلق رکھتا ہے، جو درجہ ولایت پر فائز لوگوں کے ذوق کے مطابق ہو، یہ وہ درجہ ہے کہ جہاں نماز ادا کرنے والا رسول اللہ ﷺ کی نماز کی حقیقت و کیفیت سے اپنے آپ کو آشنا کرانے کی سعی و جہد کرے گا، اسے مجددؒ صاحب کے الفاظ میں حقیقت متابعت کہہ لیجیے، روزہ رکھنے والے کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کا ذوق شوق ہو گا، اور وہ صوم کی انہی کیفیات سے گزرنے کی کوشش کرے گا، اتباع درجۂ چہارم جیسا کہ آپ نے پڑھا علماءِ راسخین کے ساتھ مخصوص ہے، اس تسکین قلب کے بعد نفس کے اطمینان کا درجہ ہے، اس درجے پر فائز قرآن مجید کے متشابہات، اسرار و رموز کو اپنے نفس پر وارد ہوتے ہوئے محسوس کرتے ہیں، یہ درجہ محض ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ درجہ انبیائے کرامؑ کی اور بالخصوص سرور کائنات کی اتباع کامل کے نتیجے میں حاصل ہو سکتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کے بعد کسی نئی بات پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بدعت سیئہ تو اپنی جگہ ان کے ہاں کسی بدعت حسنہ کی بھی گنجائش نہیں۔ کیونکہ وہ سیرت رسول اللہ ﷺ کو انسان کے تمام احوال و مسائل پر محیط جانتے ہیں، ورنہ مجددؒ صاحب کے زمانے ہی میں یہ حال ہو چکا تھا کہ ''اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دینے اور سنتوں کو محو کرنے میں مشغول ہیں'' (۲۱)

آج کے حالات میں انہی چار درجوں کا ذکر ہم کافی سمجھتے ہیں ، وہ مقامات جن کا تعلق نزول و

ہبوط سے ہے، ان کا چھیڑنا محض ایک نظری بات ہو گی۔

اتباع سنت کے سلسلے میں مرزا بدیع الزماں کے نام ایک خط میں مجددؒ صاحب متابعت سنت کو دنیا کی زیب و زینت سے متصادم قرار دیتے ہیں، اور اس نکتے کو یوں بیان فرماتے ہیں:

> باقی نصیحت یہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت لازم پکڑیں کیونکہ آخرت کی نجات آپ کی متابعت کے بغیر محال ہے، اور دنیا کی زیب و زینت کی طرف التفات و توجہ نہ کریں اور دنیا کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ (۲۲)

یہاں تصوف کا وہ اعلیٰ درجہ سامنے آتا ہے، جس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اہل ہمت لوگوں کو دُوں فطرت لوگوں سے الگ کیا جا سکے، دنیا میں ساری لذت اسی لیے تو پیدا کی گئی ہے کہ ان عالی ظرفوں کی شناخت ہو سکے جو دامن جھاڑتے ہوئے عیش وعشرت کے طوفان سے اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں، غالب کا یہ شعر دیکھیے:

ہنگامۂ زبونی ہمت انفعال
حاصل نہ کیجیے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

رسول اللہ ﷺ کے اتباع کا ذکر مکتوبات شریف میں اکثر دعا کی صورت میں ڈھل جاتا ہے،کہ اے اللہ ہمیں سید المرسلین و الآخرین ﷺ کی متابعت کی دولت سے سرفراز فرمایئے، اور آپ کی اس متابعت میں عبادات سے لے کر روز مرہ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے اعمال بھی شامل ہیں، مثلاً قیلولہ۔

> آپ کی پسندیدہ متابعت کا ایک ذرہ تمام دنیاوی لذات اور اخروی تنعمات سے مرتبے میں کہیں زیادہ بڑھ کر ہے، تمام فضیلت آنحضرت ﷺ کی روشن سنت کی تابعداری پر وابستہ ہے، اور تمام بزرگی احکام شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے، مثلاً دوپہر کا سونا (قیلولہ) اگر اتباع سنت کی نیت سے ہو تو کروڑوں شب بیداریوں سے بہتر جو آنحضرت ﷺ کی متابعت میں نہ ہوں اولیٰ و افضل ہے۔(۲۳)

آدمی کی ساری عبادت و ریاضت میں اگر متابعت سنت کا خیال نہیں ہے تو اس کے خاطر خواہ نتائج و ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے، بقول شیخ مجددؒ:

تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی پیروی میں ہے، اور تمام فسادات کی جڑ شریعت کی مخالفت کرنا ہے۔ (۲۴)

اللہ تعالیٰ کا اجر اس کے اختیار کے تابع ہے، مگر یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ :

(سنت کے موافق) ایک ساعت کا عمل ہو سکتا ہے کہ اجر میں ایک لاکھ برس کے نیک عمل کے برابر ہو۔ اس میں راز یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ (۲۵)

اتباع سنت کے سلسلے میں ایک اور نکتہ سامنے رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ صحابۂ کرامؓ کا قول اور عمل بھی سنت رسول اللہ ﷺ کی تکمیلی صورت ہے، ہم تک آثار و سنن کا جو ذخیرہ پہنچا ہے وہ انہی نفوس قدسیہ کی وساطت سے پہنچا ہے، صحابہ میں یہ سب سے پہلے سابقون الاولون آتے ہیں، جنہوں نے ابتدائے رسالت سے اس اختتام حیات رسول اللہ ﷺ تک آپ کے اعمال و سنن کا مشاہدہ کیا اور ان کا اتباع کیا اور جن کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے، ہم ان سنتوں کو جان سکتے ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ نے آخر حیات تک جاری رکھا، یہ صحابہ کرامؓ ہی ہیں جن کے لیے قرآن کی یہ سند موجود ہے کہ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه. یہ صحابۂ کرامؓ ہی ہیں جن کو دوسروں کے ایمان کی تصدیق کا پیمانہ مقرر کیا گیا ہے، یہ صحابہ کرامؓ ہی ہیں جو ہماری نجات کے راستے کی نشاندہی کرتے ہیں، ہمارے لیے یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ تہتر فرقوں میں سے نجات حاصل کرنے والا گروہ کون سا ہو گا؟ اس فرقے کی نشاندہی آنحضرت ﷺ نے فرما دی ہے کہ ما انا علیه و اصحابی۔ حضرت مجددؒ صاحب اس معاملے میں بہت واضح انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں:

(اگرچہ) تہتر فرقوں میں سے ہر فرقہ شریعت کی اتباع کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنی نجات کا یقین رکھتا ہے (جیسا کہ آیت شریفہ) کل حزب بما لدیهم فرحون(۲۶) (یعنی ہرگروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے) ان کے حال کے مطابق ہے، لیکن پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلها و من التسلیمات اکملها نے ان متعدد فرقوں میں سے ایک ناجیہ (نجات پانے والا) فرقے کی تمیز کے لیے جو دلیل بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ۔ الذین هم علی ما انا علیه و اصحابی فرقہ ناجیۂ وہ ہے جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا ذکر (جس طریقے پر میں ہوں)

> کافی ہونے کے باوجود اس مقام پر اصحاب کرام کا ذکر اسی لیے ہو سکتا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کے جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے۔ لہذا نجات کا طریقہ ان حضرات کی اتباع پر موقوف ہے۔ (۲۷)

حضرت مجددؒ کا فرمان یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے طریقے کی پیروی کے بغیر اتباع سنت کا دعویٰ باطل اور جھوٹ ہے، اس خیال کی روشنی میں آج کے مفسرین اور آج کے شارحین دین کے احوال پر نظر ڈالیے جو اسلام کی ایک نئی صورت ہمارے سامنے لا رہے ہیں اور کسی نہ کسی جماعت یا گروہ کے مفادات کی خاطر اسلام کی نئی توضیح کر رہے ہیں، اسی طور پر ان گروہوں کے ساتھ ہمدردی ہی ہو سکتی ہے اور ان کے لیے دعائے ہدایت ہی کی جا سکتی ہے جو اصحابؓ رسولؐ پر لعنت کرتے ہیں، اگر اتباع کے مقام بلند سے نظر ڈالی جائے تو صحابہ کرامؓ کے حق میں طعن کرنا نبی اکرمﷺ کے حق میں طعن کرنے کے برابر ہے، اسی خط میں (۲۸) حضرت مجددؒ صاحب نے اس حقیقت کو بھی ظاہر فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ پر طعن ان کی ذات تک محدود نہیں، بلکہ اس کا رشتہ ان اعمال، ان احکام اور ان نواہی سے بھی ہے جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں، مجددؒ صاحب فرماتے ہیں:

> جو شرعی احکام قرآن و حدیث کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں وہ سب انہی (صحابہ کرامؓ) کی نقل و روایت کے وسیلے سے ہیں، جب وہ (اصحاب کرام) مطعون ہوں گے تو ان کی نقلیں اور روایتیں بھی مطعون ہوں گی۔ (۲۹)

صحابہ کرامؓ پر طعن کرنے والے اپنے موقف کی حمایت میں یہ بات کہتے ہیں کہ ہم صحابۂ کرامؓ میں سے کئی کو اپنے لیے دلیل سمجھتے ہیں، اور وہ اس سلسلے میں سلمان فارسیؓ، حضرت مقدادؓ، صہیب رومیؓ، اور بلال حبشیؓ کے نام لیتے ہیں، ان کے اس عمل یا منطق کی کوئی بنیاد نہیں، کیونکہ اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان کی منزلت کی شہادت خود رب ذوالجلال نے دی ہے اور یہ نکتہ بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے خلفائے ثلاثہ کا ساتھ دیا۔ انہیں مشورہ دیا، ان کی خیر خواہی کی اور ان سے بیعت فرمائی، یوں عمل علی سے انکار دراصل خود حضرت علیؓ کے مرتبہ اور ان کی صداقت سے انکار کے مترادف ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے علوئے مرتبہ کا تعلق نبی کریمﷺ کی صحبت اور تربیت سے ہے، صحابی ہونا ایک ایسا شرف ہے کہ اس میں کوئی غیر صحابی شریک نہیں ہو سکتا، قرآن مجید کی یہ آیت مقدسہ اسی یکجائی، اسی شرف کی شہادت ہے کہ:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا
سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ
ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا(۳۰)

ظاہر یہ ہے کہ تمام صفات بعد کے لوگوں میں موجود تھیں، اور بعد کے لوگوں میں بعض سابقون الاولون کی شان رکھتے ہیں، قرآن مجید میں اس کا اشارہ موجود ہے، لیکن ابو بکر جیسا محبت کا فیض، عمر جیسی جلالت، اور کفر شکنی ، عثمان جیسی مومنوں پر شفقت اور علی جیسے سجدے کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی نظر کیمیا ساز نے ان کے سینوں کو ہوا و ہوس سے پاک کر دیا اور اپنی زندگی کی ہر صلاحیت اور ہر قوت رسول اللہ ﷺ کی تائید میں صرف کی، ان کے دن رات اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے تھے،انہوں نے اپنی آواز کو رسولؐ کی آواز سے پست کر لیا تھا، اگر اتنی سی بات پوچھی جاتی کہ آج کون سا دن ہے؟ تو جواب میں کہتے یہ اللہ اور رسول کو بہتر معلوم ہے۔ مجددؒ صاحب ایک مکتوب میں مرتبۂ صحابہؓ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

> (صحابہؓ) کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام کی صحبت میں ہوا وَ ہوس سے پاک و صاف ہو چکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت و کینہ نکل چکا تھا اور ان کو واضح ہو جائے گا کہ یہی وہ اکابر دین اور کبرائے اسلام ہیں جنھوں نے کلمۂ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید الانام ﷺ کی مدد اور دین متین کی تائید میں رات دن خفیہ اور علانیہ اپنی طاقتوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے اور اپنے خویش وقبیلوں اور اولاد و ازواج وطن و گھر بار، کھیتی باڑی ، کنوئیں اور باغ و انہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کی محبت میں چھوڑ دیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے نفس کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی تھی اور اپنی جان و مال اور اولاد کی محبت پر رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اختیار کیا تھا یہی وہ حضرات ہیں کہ جنھوں نے وحی اور فرشتہ کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات و خوارق کو دیکھا تھا یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت سے اور ان کا علم عین سے بدل گیا تھا یہی وہ حضرات ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ

> فرماتا ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ(۳۱) اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ نیز: ذٰلِکَ مَثَلُھُمۡ فِی التَّوۡرٰۃِ وَمَثَلُھُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡل(۳۲) توریت اور انجیل میں ان کی یہی مثال ہے یقیناً جب تمام اصحاب کرامؓ اس بزرگی اور فضائل میں شریک ہیں تو خلفائے راشدین جو تمام اکابرین صحابہؓ سے افضل ہیں ان کی فضیلت و بزرگی کس قدر ہو گی یہی وہ فاروقؓ ہیں جن کی شان میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡن(۳۳) اے نبی تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مؤمن جنھوں نے تمھاری اتباع کی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس آیہ کریمہ کے نازل ہونے کا سبب حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام ہے (۳۴)

بات صرف صحابۂ کرامؓ تک محدود نہیں یہ محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ یہ حال کی حقیقت بھی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت جاری و ساری ہے، اور ان کی ذات کے طفیل مسلمانوں کو خیر امم کہا گیا ہے، مولانا ابوالحسن علی کے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی بعثت صرف نبی آخرالزماں ﷺ کی بعثت نہیں ہے، بلکہ آپؐ کی بعثت کے ساتھ ایک امت بھی مبعوث فرمائی گئی ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو خیر امت اس لیے قرار دیا گیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور یہی سبب ہے کہ اس امت کے افراد کے لیے چھوٹا عمل بھی خیر کثیر کا ثواب رکھتا ہے، اور اس کی مثال میں مجددؒ صاحب نے اصحاب کہف کو پیش کیا ہے:

> اصحاب کہفؓ نے یہ اعلیٰ درجات صرف ایک ہی نیکی کے ذریعے سے حاصل کیے ہیں اور وہ نیکی یہ تھی کہ وہ دشمنان دین کے غلبہ کے وقت نور ایمان و یقین کے ساتھ حق تعالیٰ کے دشمنوں (کے مقام) سے ہجرت کر گئے تھے۔(۳۵)

مجددؒ صاحب ہجرت کو ایک مسلسل عمل قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

> اگر ظاہری ہجرت میسر نہ ہو سکے تو باطنی ہجرت کو پوری طرح مدنظر رکھنا چاہیے، مخلوق کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہنا چاہیے(امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور امر (راستہ) پیدا فرما دے گا) (۳۶)

انھوں نے اس ہجرت کا خیال قرآن کریم سے اخذ کیا ہے، اپنی روشِ حیات کو بدل دینا یا اپنی زندگی کے نہج کو حکم الٰہی کے تابع کر کے دنیا سے کٹ جانا بھی ہجرت ہے قرآن حکیم کے الفاظ میں:

اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (۳۷)

ہم نے گزشتہ سطور میں جو کچھ عرض کیا ہے ان کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی رسالت، آپ کی اتباع، صحابہ کرامؓ اور امت محمدی ﷺ سے ہے، رسول اکرم ﷺ کی حیات، معجزات اور مختلف پہلوؤں کے بارے میں مکتوبات میں بہت سے نکتے ملتے ہیں، معارج کے سلسلے میں مجددؒ صاحب علماء کے اختلاف کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی معراج بدنی کے قائل ہیں، وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرش و کرسی اور ، مکان وزمان سے گزر کر اپنا سفر مکمل کیا لیکن انہوں نے علماء کے اختلاف کا ذکر کر دیا ہے:

> حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو محبوب رب العالمین اور تمام اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں باوجود یہ کہ معراج بدنی سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے گزر کر مکان و زمان سے بھی بالا چلے گئے، باوجود قرآنی اشاروں کے آنحضرت ﷺ کی رؤیت میں علماء کا اختلاف ہے اور اکثر علماء آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ کی عدم رؤیت کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: والا صح انه علیه وعلی آله الصلوة والسلام ما رأی ربه سبحانه لیلة المعراج صحیح یہی ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے معراج کی شب میں اپنے رب کو نہیں دیکھا۔ (۳۸)

ایک دوسرے مقام پر مجددؒ صاحب جسد عنصری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سفر اور سیر کا ذکر کرتے ہیں:

> ''آنحضرت ﷺ کو شبِ معراج میں اپنے جسد (عنصری کے ساتھ) جہاں تک حق تعالیٰ نے چاہا سیر کرائی گئی اور آپ کے سامنے جنت دوزخ پیش کی گئی (سامنے لائی گئی) اور آپ کی جانب وحی آئی جو کچھ کہ آئی اور وہاں آپ (حق تعالیٰ کی) رویت بصری سے مشرف کیے گئے اور اس طرح کی معراج آنحضرت ﷺ ہی کے لیے مخصوص ہے''۔(۳۹)

آنحضرت ﷺ کی بشریت کا معاملہ بھی بہت نازک ہے، آپ ؐ کے بشر ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں کر سکتا، یہ جزو ایمان ہے، کیونکہ قرآن نے آپ ہی کی زبانی کہلوایا ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ(۴۰) اور کلمہ توحید محمد رسول اللہ ﷺ کا ٹکڑا مستقلاً اس کا اشارہ دے رہا ہے، اس کی وجہ جناب مالک رام (عبدالمالک) کے خیال کے مطابق مسلسل اس حقیقت کا اعادہ تھا کہ محمد اللہ کے رسول تھے،

محمد اللہ کے بیٹے نہیں تھے، کیونکہ اس گمراہی میں بہت سی قومیں مبتلا ہوئیں، لیکن مجددؒ صاحب نے اس نکتے پر زور دیا کہ دوسرے انسانوں کی طرح ان کو بشر جاننا ان کی عظمت کا انکار ہے، یہ تفریق اور فرق ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتا ہے، آج پاکستان کے پندرہ کروڑ باشندوں میں سے ایک لاکھ سے زیادہ شاعر ہیں، لیکن کیا ان شاعروں کا نام غالب و اقبال کے ساتھ دیا جا سکتا ہے، آج کے بیشتر لیڈر عوام کی رائے کے پیچھے چلتے ہیں، کیا ان کو حقیقی قائد سمجھا جا سکتا ہے، یہ ناقص مثالیں نبیوں بالخصوص نبی آخرالزماں ﷺ کے علوئے مرتبت کے لیے بالکل ناکافی ہیں، آپ کو اللہ نے گناہوں سے معصوم خلق کیا تھا، جب کہ گناہ خمیر بشر میں شامل ہے، **بشر مثلکم** کا تعلق محض عناصر جسمانی سے ہے۔ اور ہم میں سے کون کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تخلیق میں کونسی مٹی استعمال کی گئی تھی، یہ نکتہ جس کی اور زیادہ تفاصیل ضروری ہیں، مکتوبات میں یوں آیا ہے:

> جن محرموں نے حضرت محمد ﷺ کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو لازمی طور پر وہ (ان کے) منکر ہو گئے اور جن سعادت مندوں نے آپ علیہ السلام کو رسالت اور رحمت عالمیان کے عنوان سے جانا اور باقی تمام لوگوں سے ممتاز دیکھا اور وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے اور نجات پا گئے۔(۴۱)

ایک دوسرے موقع سے مجددؒ صاحب خلق محمدی ﷺ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ خلق محمدی ﷺ دوسرے تمام افراد انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افراد عالم میں سے کوئی بھی فرد ان کی پیدائش کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آپؐ باوجود عنصری پیدائش کے حق جل و علیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آپؐ نے فرمایا ہے: **خلقت من نور الله** میری پیدائش اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوئی ہے۔ (۴۲)

خلق محمدی ﷺ اور ایسے ہی دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ حضرت مجددؒ صاحب نے حقیقت محمدی ﷺ اور حقیقت احمدی ﷺ میں یہی فرق کیا ہے، اور یہ روحانی نکتہ سمجھیے، مجددؒ صاحب اس بات کو دہراتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نبوت حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے حاصل تھی، **کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین**، اور مجددؒ صاحب حقیقت احمدیت کا تعلق عالم امر سے قائم کرتے ہیں:

> یہ بات باعتبار حقیقت احمدی کے تھی اور اس کا تعلق عالم امر سے ہے اور اسی

اعتبار سے حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے جو کلمۃ اللہ ہوئے ہیں اور عالم امر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور (جنھوں نے) آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ والتسلیمات کی تشریف آوری کی بشارت اسم احمد سے دی ہے اور فرمایا ہے: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ(۴۳) اور خوشخبری دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہے۔(۴۴)

مجددؒ صاحب کے خطوط میں طالبان راہ حق کے مقامات اور ترقیوں کا ذکر ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ انبیائے کرامؑ کے مراتب اور جلالت شان پر تفصیلی بحث ہے، قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہم تمام انبیاءؑ پر ایمان لاتے ہیں، لیکن ان کے مراتب کا فرق بھی واضح ہے، مجددؒ صاحب محبت ذاتیہ سے بلند تر مقام حب کو قرار دیتے ہیں، اور ''مقام رضا محبت اور حب کے مقام سے بھی بالاتر ہے، کیونکہ مرتبۂ رضا مرتبہ محبت سے بلند ہے'' (۴۵)

اور آخری بات یہ کہ محمد عربی ﷺ کے مرتبے اور شان کو اس دنیا والے نہیں پہچان سکتے، کیونکہ یہاں حق اور باطل ملے ہوئے ہیں، جب یوم جزاء آئے گا، تو حضور ﷺ کی عظمت و بزرگی واضح ہو جائے گی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان کو اس دنیا میں کیا پا سکتے ہیں اور آپ کی عظمت و بزرگی کو اس جہان میں کیا پہچان سکتے ہیں کیونکہ اس دار ابتلا (دنیا) میں سچ جھوٹ کے ساتھ اور حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن قیامت کے دن آپ ﷺ کی عظمت و بزرگی معلوم ہو جائے گی، جب کہ آپ ﷺ پیغمبروں کے امام ہوں گے اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے، اور حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء والمرسلین من الصلوات افضلہا و من التسلیمات کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔(۴۶)

حوالہ جات

۱۔ مکتوبات حضرت مجددؒ الف ثانی / دفتر دوم، مکتوب ۳۷/ص ۱۲۸

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضا

۴۔ مکتوبات / دفتر اول، مکتوب ۴۶/ص ۱۷۰

۵۔ ایضاً

۶۔ مکتوبات/ دفتر سوم، مکتوب ۹۴/ص ۲۸۰

۷۔ ایضاً
۸۔ البقرہ:۲۵۳
۹۔ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۷۹، ص ۲۳۷،۲۳۸
۱۰۔ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۷۹، ص ۲۳۸
۱۱۔ القلم:۴
۱۲۔ یس:۳
۱۳۔ انعام:۱۵۳
۱۴۔ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۴۱، ص ۱۵۱
۱۵۔ ایضاً
۱۶۔ مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲، ص ۳۷۸
۱۷۔ النساء: ۸۰
۱۸۔ مکتوبات، دفتر اوّل، مکتوب ۱۵۲، ص ۳۴۱
۱۹۔ مکتوبات، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب ۲۳۱، ص ۱۳۹
۲۰۔ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۴، ص ۱۹۱، ۱۹۲
۲۱۔ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۴، ص ۱۹۴
۲۲۔ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۷۴، ص ۲۲۷
۲۳۔ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۱۱۴، ص ۳۰۰
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۰۱
۲۵۔ ایضاً
۲۶۔ روم: ۳۲
۲۷۔ مکتوب دفتر اول، مکتوب ۸۰، ص ۲۴۰
۲۸۔ دفتر وال، مکتوب ۸۰
۲۹۔ ایضاً، ص ۲۴۱
۳۰۔ فتح :۲۹
۳۱۔ توبہ: ۱۰۰
۳۲۔ فتح: ۲۹
۳۳۔ انفال:۶۴
۳۴۔ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۹۶، ص ۳۰۹
۳۵۔ دفتر اول، مکتوب ۴۴، ص ۱۶۴
۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ [26:29]

۳۸۔ دفتر اول ، حصہ دوم،مکتوب ۲۷۲رص ۳۱۶

۳۹۔ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۱۳۵رص۳۲۴

۴۰۔ الکہف: ۱۱۰

۴۱۔ مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب۶۴رص۱۸۸

۴۲۔ مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰رص ۳۰۹

۴۳۔ الصّف:۶

۴۴۔ مکتوبات، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب ۲۰۹رص ۷۹

۴۵۔ مکتوبات ، دفتر دوم، مکتوب ۷رص۴۱

۴۶۔ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۷رص۴۱

☆☆☆☆☆